Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.16846630

"A Cultural Study of the Dastan 'Qissa Mehr Afroze o Dilbar"

داستان "قصہ مہر افروز و دلبر" کا تہذیبی مطالعہ

Syed Afaq Zahir
PhD Scholar Department of Urdu, QURTUBA University of Science and Information Technology Dera Ismaeel Khan, Khyber Pakhtunkhwa, Pakistan.
syedzadaafaq@gmail.com

ABSTRACT

The Qissa Mehr Afroze o Dilbar, authored by Aisvi Khan Bahadur in the mid-eighteenth century (circa 1721–1759), holds a significant position in the history of Urdu prose fiction. Considered one of the earliest known Urdu dastans, this work not only reflects the narrative artistry of its time but also serves as a rich repository of socio-cultural, historical, and political life in Mughal India. Although little is known about its author, the text captures the intricate details of the era's urban life, courtly traditions, festivals, attire, architecture, cuisine, and interpersonal relations, thus preserving a vivid portrait of eighteenth-century Indo-Muslim civilization. This cultural study examines the Qissa Mehr Afroze o Dilbar as both a literary artifact and a historical record. It explores the way the narrative encapsulates Delhi's royal grandeur, public festivities, and cosmopolitan environment, depicting the harmony and intersection of Muslim and Hindu traditions. The story illustrates courtly justice, public prosperity, and the opulence of Mughal ceremonies, especially weddings, replete with elaborate feasts and decorative grandeur. It reveals the significance of social customs such as the reverence for saints and spiritual guides, as well as the persistence of practices like arranged marriages, dowry traditions, and familial pressure, which continue to resonate in South Asian culture today. Furthermore, the text offers a critical lens on both positive and negative aspects of the period's cultural ethos, praising virtues like generosity, hospitality, and communal celebration, while also acknowledging social issues such as ostentation, economic disparity, and exploitative religious impostors. Through richly detailed descriptions of festivals, architectural landmarks (notably the Red Fort), and ornamental gardens, the dastan functions as a microcosm of its time, preserving linguistic simplicity with minimal Persian-Arabic influence and reflecting an authentic Indian narrative style. Ultimately, this study asserts that Qissa Mehr Afroze o Dilbar transcends its role as a mere romantic tale.

Keywords: *Urdu Dastan, Mughal India, Indo-Muslim Culture, Aisvi Khan Bahadur, Cultural History, Eighteenth Century Literature, Delhi, Social Customs, Historical Narrative, Courtly Traditions.*

تعارف:

"قصہ مہر افروز و دلبر" عیسوی خان بہادر کی تصنیف ہے جو انہوں نے 1752ء میں لکھی۔

اس کی سن تصنیف کے حوالے سے ڈاکٹر صغیر افراہیم اپنی کتاب "نثری داستانوں کا سفر" میں لکھتے ہیں۔

"یہ داستان 1721ء سے 1759ء کے درمیان لکھی گئی۔"(1)

عیسوی خان بہادر محمد شاہ رنگیلا کے ہم عصر تھے۔ نثر میں ان کا واحد کارنامہ "قصہ مہر افروز و دلبر" ہے۔ اس داستان کے مصنف کے حوالے سے کچھ خاص معلومات موجود نہیں ہے۔ عہد شاہجہان سے لے کر شاہ عالم ثانی کی عہد تک عیسوی خان، موسیٰ خان ایک سے زائد امرا کا ذکر ملتا ہے لیکن عیسوی خان کا ذکر کہیں موجود نہیں ہے۔ "قصہ مہر افروز و دلبر" کا متن پہلی بار 1966ء میں حیدرآباد دکن سے شائع کیا گیا۔

ڈاکٹر مسعود حسین خان لکھتے ہیں:

"قصہ "مہر افروز و دلبر" غالب اردو کی قدیم ترین داستان ہے جس کا واحد نسخہ آغا حیدر حسن صاحب حیدرآباد دکن کے ذاتی کتب خانے کی زینت ہے۔ اس کے سرورق پر مصنف کے نام کی نشاندہی عیسوی خان بہادر کی گئی ہے۔"(2)

عیسوی خان بہادر کے متعلق کچھ زیادہ معلومات موجود نہیں ہے بہر حال ان کا تعلق دہلی سے تھا۔ عیسویٰ خان اور موسی خان دو بھائی دہلی میں تھے۔ مال و دولت کی وجہ سے آپس میں جھگڑا ہوا عیسوی خان کو ناکامی کا سامنا ہوا جبکہ موسیٰ خان نے سارا مال اپنے قبضے میں لے لیا۔

ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں:

"یہ قیاس صحیح ہے کہ عیسوی خان نے پہلے اردو شرح لکھی بعد میں ہندی شرح تو بہت ممکن ہے کہ عیسوی خان نے اردو لکھنے سے ابتدا کی ہو اور بعد میں ہندی کی وادی میں نکل گئے ہوں یعنی "قصہ مہر افروز و دلبر" چندر کا 1752ء پر مقدم ہو۔"(3)

یہ داستان اردو کے قدیم تاریخ میں اہم مقام کی حامل ہے اس کی اہمیت کی بڑی وجوہ میں سے بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ اٹھارویں صدی کی اولین داستانوں میں شمار ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے مصنف اور سن تالیف کے بارے میں شبہات پائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق:

"یہ اردو کی قدیم ترین معلوم داستان ہے جو محمد شاہ یا احمد شاہ کے دور میں لکھی گئی۔(4)

"قصہ مہر افروز و دلبر" ایک نہایت اہم داستان ہے جو اردو داستان کی تاریخ میں سنگ مل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ داستان دیگر خصوصیات کے علاوہ اپنے عہد، معاشرت اور رسم و رواج کی بہترین عکاس ہے۔ اس داستان میں اُس وقت کی پوری تہذیب و ثقافت اور تاریخ موجود ہے۔ اس داستان میں جابجا ہندوستانی تہذیب یعنی مسلم اور ہندو دونوں معاشرے کے میلے ٹھیلے، رسم و رواج، گلی کوچے، شاہی طور اطوار اور ہر اس چیز کی نشاندہی اور تاریخ ملتی ہے جو تہذیب کے زمرے میں آتی ہے۔

"قصہ مہر افروز دلبر" سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"اقلیم ہندوستان کی میں ایک شہر تھا کہ تس کا نانو عشق آباد تھا۔ تس میں حکم رو اُس جگہ کا عادل شاہ بادشاہ تھا۔ ہفت اقلیم کے جو ہر ایک بادشاہ تھے سو پیش کش اور نوکری اُس کی کے میں سب حاضر رہتے تھے۔ اطاعت اُس کی مانتے تھے جہاں تک کہ ملک اُس کا تھا سو عدالت و انصاف اور بخشش

وانعامات سے کوئی ایسا نہ تھا کہ کسی بات سے محتاج ہوئے اور اس شہر کے بیچ میں کد ہے عید اور شادی نہ معلوم ہوتی تھی کیونکہ عید اور شادی دن رات رہتی تھی اور چھوٹا بڑا جو اس شہر میں رہتا تھا سو سوائے راگ اور ناچ، عیش و عشرت کے اور دوسری بات نہ جانتا تھا۔"(5)

حوالہ بالا سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اُس زمانے یا عہد میں بادشاہ اپنے رعایا کا بہت خیال رکھتے تھے تبھی ہر جگہ اور ہر گلی کوچوں میں ناچ گانے اور خوشیاں بانٹی جاتی تھیں۔ محل کی نشست و برحاست، نوکر چاکر اور دیگر امور کی نشاندہی سے واضح ہوتا ہے کہ بادشاہ کس طرح اپنے رعایا کے بیچ عدل و انصاف قائم رکھتے تھے۔ اس عہد کی تہذیب جو نہایت شاہانہ طرز کی حامل تھی۔ ہر طرف چہل پہل اور رنگا رنگی تھی۔ عوام خوشحال تھے۔ ہر طرح کی سہولیات فراہم تھی۔ عدل و انصاف کا بول بالا تھا۔ کسی کو کوئی تکلیف نہ تھی۔ ان ساری باتوں سے اس معاشرے کی تہذیب اور رسم و رواج کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اردو ستان کی تاریخ سے یہ واضح پتہ چلتا ہے کہ داستان چاہے کسی بھی ملک کے حوالے سے ہو، کسی بھی دوسرے ملک یا خطے کا ذکر ہو لیکن تہذیب و معاشرت ہندوستان کی ہی بیان کی جاتی ہے اور دہلی اور لکھنؤ کی طرزِ معاشرت، حکومت، مذہبی تہوار، رسم و رواج غرض ہر ایک چیز کی عکاسی ہوتی ہے۔

"اس شہر کی ایسی خوبی تھی کہ وہاں کے رہنے والے تو اس جگہ سے خوش تھے ہی لیکن اوع جو مسافر ملکوں کے آئے نکلتے سو دیکھ اس شہر کی خوبی، باغ و تالاب وندی، نہریں اور شہر کے لوگوں کا عمدا ہٹ و حسن اور بازار کی رونق دیکھ کے دل انھوکا نہ ہوتا تھا کسی اور جگہ جائے بلکہ اکثر سیاح سیر کرنے آتے، سو اس شہر میں رہتے اور جگہ پھر نہ جاتے تھے۔"(6)

اس حوالے سے دہلی شہر کی خوب عکاسی ہوتی ہے۔ دہلی شہر میں موجود باغ و تلاب اور نہروں کی خوبصورتی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حکمرانوں نے باغات اور نہروں پر خوب توجہ دی تھی۔ لال قلعہ جو مغل حکمرانوں نے تعمیر کیا تھا ایک تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ لال قلعہ اور دیگر خوبصورت مقامات کی سیاحت کرنے اس وقت بھی اور آج بھی لوگ بڑی تعداد میں سیر کرنے آتے ہیں جس سے اس عہد یا دور کی سیاحت کا شعبہ بھی روشن دکھائی دیتا ہے یعنی دہلی کی رونقیں، روشنیاں اور چہل پہل دیکھنے لوگ دوسرے ملکوں اور شہروں سے سیر کرنے کے واسطے آتے تھے۔ لال قلعہ باغات و تلاب، ندی اور نہریں دیکھ کر لوگ خشاش بشاش ہوتے تھے۔ ان چیزوں سے دہلی کی تہذیب و معاشرت کھل کر سامنے آتی ہے جس سے اس عہد کی مکمل عکاسی ہوتی ہے۔

"داستانیں خواہ وہ منثور ہو یا منظوم، اپنے عہد کی کلچر کی نشاندہی کرتی ہے۔ جیسا کہ دہلی شواہد سے ظاہر ہے کہ عیسوی خان کا تعلق دہلی سے تھا اس لیے لاشعوری طور پر ان کی داستان میں دہلی اور اس کے اطراف کی تہذیب سمیٹ آئی ہے۔ قصہ میں بہت سے ان مقامات کا ذکر ہیں جن کا تعلق لال قلعہ سے ہے۔ بادشاہوں اور خصوصاً مغل بادشاہوں میں قلعہ کے اندر آئے دن کسی نہ کسی بہانے سے جشن منائے جاتے تھے۔ "مہر فروز ودلبر" میں ان مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔"(7)

مسلم حکمرانوں کی طرز زندگی، طرز رہن سہن اور شاہی آداب و اطوار بھی منفرد اہمیت کی حامل تھیں۔ ان کے طرز معاشرت سے ایک مکمل اور پوری تہذیب آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ دہلی شہر کی رونقیں، غم، خوشی اور ہر رسم و رواج کی عکاسی ہوتی ہے گویا یہ داستانیں نہیں بلکہ تاریخی کتب ہے۔

"امیر و وزیر بہت سے خوش ہوئے اور بادشاہ سے جائے کہ کہاں کہ اے بادشاہ! ایک فقیر بہت صاحب کمال نے اس طرف آئے کہ گزر گیا ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ طالع تیرے رجوع ہوئے اور مراد تیری حاصل ہو گی۔ بادشاہ یہ بات سن کے بہت خوش ہوا اور خوش ہو کے اس فقیر کے پاس گیا۔ پاس جا کے فقیر کے قدم بوس کیے۔ فقیر جو کشف دل کا رکھتا تھا نس سے حقیقت بادشاہ کی لوگوں کے دل کے سب معلوم کر کے رحم دل میں آیا تس سے بادشاہ سے فقیر نے کہا کہ اے بادشاہ! تیریں بیٹا ہو گا اور بہت قابل ہو گا تیں جا خاطر جمع سے بیٹھ اور جد تیرا بیٹا ہوئے تب تو شہر میں داخل ہو جو اور اس بیٹے کا نانو مہر افروز رکھیے۔"(8)

مشرقی معاشرے کے اقدار خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ فقیروں کی دعائیں مشرقی معاشرے میں زندگیاں بدل دینے میں خاصی اہمیت رکھتی ہے اور ان فقیروں کی عزت و تکریم بڑے دل و جان سے کی جاتی ہے ان کی عزت اور مہمان نوازی کو شرف خیال کیا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج بھی ان چیزوں کو بہت متبرک تصور کیا جاتا ہے اور ان کی بے توقیری خود کو مصیبت میں ڈالنے کے مترادف خیال کی جاتی ہیں۔ ان کی دعائیں اور بد دعاؤں میں بہت اثر اور مستجاب الدعوات ہوتی ہے جس کے باعث ان کو ہمارے معاشرتی معاشرے میں بہت عزت و احترام کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ اس حوالے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں بھی فقیروں کی عزت کو بہت اہمیت حاصل تھی اور آج بھی ہے جو کہ ہماری تہذیبی روایات کا لازمی جزو ہے۔

"تب تو پیر نے کہا مریدوں سے ہو ان نے لکڑیاں مار کے پیٹ کے باہر کیا۔ آخر کوں پھر جو تھے تن سبھو نے عرض کر کے تقصیر ان کی معاف کرائی پھر ان کے واسطے پیر نے دعا پڑھی۔ دعا سے ایسا ہوا کہ پھر وہ آدمی ہو گیا۔"(9)

پیری مریدی کا سلسلہ مشرقی معاشرے میں زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے اور اگر دیکھا جائے تو دو قسم کے سلسلے نکلتے ہیں۔ ایک قسم وہ جو اللہ کی رضا کی خاطر اور مخلوق کو راہ مستقیم پر چلنے کے واسطے اپنا سب کچھ یعنی آرام و سکون، اپنی ذات تک قربان کر دیتے ہیں۔ جن کا خالص مقصد اللہ کی رضا اور دین کی خدمت کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ ہمارے معاشرے میں دوسری قسم کو دیکھا جائے جن کا کردار معاشرے میں بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔ یعنی ہندوستان کی سرزمین پر ایسے ہزاروں، لاکھوں کردار صرف پیسا بٹورنے کے چکر میں پیر کا روپ دھار بیٹھتے ہیں۔ جنہوں نے نیکی اور پرسائی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہوتا ہے اور لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ معاشرے میں موجود پڑھے لکھے لوگ بھی ان کے شکنجے میں آجاتے ہیں۔ خصوصاً عورتیں ان لوگوں کے بہکاوے میں جلد آجاتی ہے اور جعلی پیر ان سے اچھی خاصی رقم بٹورتے ہیں۔

اس حوالے سے دوسری اہم بات یہ واضح ہوتی ہے کہ ان پیروں کے مرید بھی ان کی ہر جائز و ناجائز بات کو سر خم تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کے حکم کو باعث عزت سمجھتے ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کی تہذیبی روایات ہے جو صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ ان فرسودہ اور غلط روایات کا سدباب نہایت ضروری ہے تاکہ معاشرے سے ان غلط اور فرسودہ روایات کا خاتمہ ہو۔

"دلبر نے یہ بات سن کے نہ مانی کہا کہ میرے تائیں بیاہ نہیں کرناں۔ قد گل رُخ نے کہا کہ جو تو یہ بات نہ مانے گی تو تیری ماں کی ہتیا تیرے پر آوے گی۔"(10)

یہ حوالہ ہمارے معاشرے کی ایک منفی برائی جو عورت ذات کی طرف سے رونما ہوتی ہے، عیاں ہوتی ہے۔ شادی یعنی نکاح کرنا ہمارے اسلامی روایات کا حصہ ہے اور بحثیت مسلمان ہمارے معاشرتی اقدار اور تہذیب کا حصہ ہے۔ لیکن اس کے برعکس اس

حوالے میں معاشرے میں پائی جانی والی برائی کی طرف اشارہ موجود ہے۔یعنی عموماً ہمارے معاشرے میں جب کسی لڑکی کا رشتہ آتا ہے تو بعض اوقات لڑکی کی طرف سے انکار ہو جاتا ہے اس پر والدین یا ماں باپ کی طرف سے نفسیاتی دباؤ ڈالا جاتا ہے اور جان دینے اور لینے کی دھمکیاں دی جاتی ہے جس سے اکثر اوقات غلط نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ مشرقی معاشرے کے غلط روایات اور تہذیب کا حصہ ہے۔ ہمارے دین اسلام میں ہر لڑکی کو اپنی پسند اور ناپسند سے شادی کرنے کا حق حاصل ہے۔ ہماری تہذیبی روایات میں اسلامی تہذیب کا پرچار ہونا چاہیے نہ کہ کسی قوم یا معاشرے کے غلط روایات جس سے کسی کی زندگی برباد ہوتی ہے۔ یہ چیزیں ہماری تہذیب کی مکمل عکاسی کرتی ہے اور روایات کا حصہ بھی ہے جس کا سدباب نہایت ضروری ہے۔

اردو داستان کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ داستانوں میں اپنے عہد کی سیاسی، معاشی، اقتصادی، اسلامی اور ہر قسم کے حالات واقعات، رسم ورواج اور تہذیب کی عکاسی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر سیدہ جعفر لکھتی ہے۔:

"یہ ہماری تمدنی زندگی، معاشی، سیاسی، ادبی اور مجلسی زندگی اور ہمارے تہذیبی ورثے کا قیمتی خزانہ ہے۔ ان میں ماضی کے بہت سے نقوش محفوظ ہیں۔ قدیم ہندوستانی زندگی کے لازوال مرقع ہمارے قدیم تصورات، ہمارے رسم ورواج اور ہماری ساری ثقافتی زندگی کا عکس ہندوستان میں موجود ہے۔"(11)

داستانیں، قدیم روایات چاہے کسی بھی قوم یا معاشرے سے متعلق ہو، اپنے اندر چھپا کر تاریخ کے زمرے میں لے آتی ہے اور ان چیزوں کی بہترین عکاسی یہی داستانیں کرتی ہے جو کہانی کی شکل میں اپنی تہذیبی روایات اور تاریخی واقعات کو سمیٹتی کر رکھی ہوئی ہے۔

"جب راتیں توڑی رہتی ہے تب کھانے کی تیاری ہوتی ہے اور تدفراش جو ہے سو انداز زردوزی سے وہ جڑاؤ سلیمچی آفتابوں سے ہاتھ دھلائے جاتے ہیں اور ہر ایک کے آگوں نطع بوداری، حلکاری کی وہ دستر خانے زر بفتی ونیلک اور ٹاٹ بانہیے بچھائے جاتے ہیں اور مینوں کی وہ جڑاؤ، جوڑوں سے اور قاب ومشقاب، پیالا بادیہ اور نمکدان، دھیڑی سوتورابندی کرتے ہیں۔ اور ہر ایک تورہ میں زیر بریان زعفرانی پلاؤ، یخنی پلاؤ، مشمن پلاؤ، سمندر پلاؤ، نرگسی پلاؤ، سبز پلاؤ، خشکہ، مصلاح، قبولی، شولا، مذعفر اور کئی طرح کے چاشنی دار قیلے، کئی طرح کے سادہ قیلے اور کئی طرح کے دم پخت اور ہر ایک طرح کے دوپیازرے اور ہر ایک طرح کے کباب اور کئی طرح کے آتش کی بودانی اور فرنی فالودے، تنکی وباقرخانی وروغنی، شیر مال، گولر اور چھوٹی نان، کلیچہ اور کماچ، نان بادام، نان پنیر، نان برہی، سموسہ، نچلڈ واور کلہ پر بار اور سب طرح کے کھانے۔"(12)

بادشاہ زادے کی شادی جس انداز اور دھوم دھام سے ہوتی ہے اور مختلف النوع کے کھانے اور ایک ہی چیز کی کئی کھانوں کی اقسام بنائی گئی جو کہ مغل حکمرانوں یا ہندوستانی امرا اور رؤسا کی خوب نمائندگی کرتی ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اکثر مسلمان حکمران بہت عیاش پرست اور سخاوت کا جذبہ رکھتے تھے جو شادی بیاہ، تہواروں، مذہبی تہواروں اور دیگر تقریبات میں دل کھول کر پیسا خرچ کرتے تھے۔ یہاں ایک طرف ان کی سخاوت ظاہر ہوتی ہے تو دوسری طرف فضول خرچی، جیسا کہ آج بھی یہی چیزیں ہماری تہذیب کا حصہ ہیں۔ یعنی کہیں بھی دیکھ لیں تو ہمارے معاشرے میں کسی امیر کے ہاں کوئی شادی کا پروگرام یا تقریب منعقد ہوتی ہے تو پیسا پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ اُس عہد اور آج کے معاشرے میں تہذیبی نقطہ نظر سے

کوئی فرق نہیں آیا، وہی قدیم روایات آج بھی بڑی عقیدت اور فخر سے غیر ضروری طور پر منائی جاتی ہیں۔ جہاں کھانے کی ایک قسم سے کام چل سکتا ہے وہاں ایک ہی طرح کے کئی کھانوں کا کیا فائدہ۔ لیکن صرف نمائش اور دکھاوے کے لیے ایسے کام کیے جاتے تھے اور آج بھی جوں کے توں ہے جن کو آج کل آفسر شاہی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یعنی ایک خاص قسم کا طبقاتی فرق جو امیر اور غریب کے مابین رکھا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے اور نظام میں ناسور کی طرح سرایت کر چکا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں۔"

" تہذیبی بیانات میں شادی کے جلوس کا بیان پندرہ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ باغ و بہار میں اور اس سے پہلے نوطرز مرصع میں کھانوں کی فہرست کا طول مشہور ہے۔ قصہ مہر افروز و دلبر میں بھی یہ تفصیل کچھ کم نہیں۔"(13)

اردو داستان ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ ان داستانوں میں ہندوستان کے رسم و رواج سے متعلق ہر چھوٹی بڑی چیزیں آشکار ہوتی ہے۔ اور ان چیزوں کا بہت باریک بینی سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ یعنی اگر کسی تقریب، شادی بیاہ یا کسی د عوت کا منظر پیش کیا جاتا ہے تو گویا پوری تفصیل سامنے آجاتی ہے جیسا کہ اس داستان میں مختلف حوالوں سے عیاں ہے۔

"بادشاہ شادیانہ بجواتا ہے وجواہر واشرافیاں لٹاوتا قلعے میں داخل ہوتا ہے اور دیوانے عام میں سب کی نظریں ہوتی ہیں جس وقت کے بادشاہ زادہ محل میں جاتا ہے وہاں بھی بڑی خوش وقری ہوتی ہے۔ پری چہرہ جو اس کی ماہے بادشاہ زادے سے ملتی ہے اور دلبر آوتی ہے تب دلبر سے ملتی ہے بڑی شادی ہوتی ہے محلوں میں اور بادشاہ چھ مہینے کا جشن کرتا ہے اور انعام واکرام، راگ وناچ بہت ہوتا ہے اور بادشاہوں کی مہمانی کرتا ہے اور ان سے بہ رعایت عہدہ کرتا ہے اور ہر ایک کو اپنے اپنے ملک کو رخصت کرتا ہے۔"(14)

خلاصہ:

پرانے وقتوں میں شادی بیاہ کے رسومات، بادشاہوں، محلوں میں شادی تقریبات، دعوتیں، ضیافتیں اور دیگر عقائد اور رسومات کا خوبصورتی سے اندازہ ہوتا ہے۔ اُس عہد میں کس طرح بادشاہ، بادشاہ زادے اور امرا اپنی خوشیوں کو مناتے تھے۔ کس شان سے سونے جواہرات کو لٹاتے اور بادشاہ کا استقبال اور ان کی نشست و برخاست سب کچھ بہت باریک بینی سے نمایاں ہوتا ہے۔ آج بھی یہی رسومات باقاعدگی سے منائی جاتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ غریب کا طریقہ کار الگ جبکہ امیر کا انداز الگ ہے۔ جس طرح بادشاہ اپنی شادی، یا شہزادوں یا شہزادیوں کی شادی بیاہ پر اپنے خزانے کا منہ کھولتا تھا آج بھی امرا، عہدے دار، جاگیر دار انہی روایات کو نبھاتے ہیں اور پیسا پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ یعنی یہ اس وقت بھی ہماری تہذیبی روایات کا حصہ تھیں اور آج بھی ہماری تہذیبی روایت کا حصہ ہیں جن کو بہت شان و شوکت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

"قصہ مہر افروز و دلبر" اردو داستان کی تاریخ میں ایک اہم حیثیت رکھتی ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے یہ ایک مکمل داستان ہے۔ عربی اور فارسی کے الفاظ، تراکیب اور محاورات کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔ تہذیبی نقطہ نظر سے نہایت اہم درجہ رکھتی ہے جو نہ صرف اپنے عہد اور معاشرت کی آئینہ دار ہیں بلکہ پوری ایک تہذیب سمیٹ کر اپنے اندر رکھی ہوئی ہیں۔ جس میں ہندوستان کی سرزمین سے متعلق ہر چیز یعنی رسم و رواج، زبان، مذہب اور ہر چھوٹی بڑی چیز کی عکاسی ہوتی ہیں۔ یہ داستان

صرف داستان نہیں بلکہ ہندوستان کی مکمل تاریخ اور تہذیب پر مشتمل کتاب ہے۔ جو اردو زبان و ادب کی تاریخ میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

حوالہ جات

1. صغیر افراہم، ڈاکٹر، نثری داستانوں کا سفر، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، 1995 ص 26
2. عیسوی خان بہادر، قصہ۔ مہر افروز و دلبر، مرتبہ، ڈاکٹر مسعود حسین خان، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو۔ 1988، ص 12
3. گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، 2014، ص 195، 194
4. جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، لاہور: مجلس ترقی ادب جلد دوم، 1994، ص 1082
5. عیسوی خان بہادر، قصہ مہر افروز و دلبر، ص 39
6. ایضاً: ص 39
7. ابن کنول، داستان کی جمالیات، لاہور: دولڈ ویو پبلیشرز، 2020، ص 134، 133
8. عیسوی خان بہادر، قصہ مہر افروز و دلبر، ص 41
9. ایضاً، ص 107
10. عیسوی خان بہادر، قصہ مہر افروز و دلبر، ص 111، 110
11. سیدہ جعفر، ڈاکٹر، فن کی جانچ، حیدر آباد: نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، 1965، ص 118
12. عیسوی خان بہادر، قصہ مہر افروز و دلبر، ص 121، 120
13. گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، ص 200
14. عیسوی خان بہادر، قصہ مہر افروز و دلبر، ص 151

SCRR